عبیداللہ قدسی

مشہور مسلمان فلسفی فارابی کا نظریۂ عمرانیات

اسلامی فلسفہ میں فارابی کا بہت بلند مقام ہے۔ انھیں معلمِ ثانی کہتے ہیں، اور ارسطو کو معلمِ اول۔ فارابی نے فلسفۂ یونانی سے اور خاص طور پر ارسطو کے فلسفہ سے بہت کافی فائدہ اٹھایا ہے۔ اسی طرح افکار اجتماعی اور عمرانیات کی تاریخ لکھتے وقت فارابی کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ انھوں نے دو کتابیں اس مضمون پر لکھی ہیں۔ ایک 'السیاسۃ المدنیۃ' اور دوسری 'آراء اہل المدینۃ الفاضلۃ'۔ ان دونوں میں انھوں نے افلاطون اور ارسطو سے استفادہ کیا ہے، لیکن یونانی فلسفہ کی تقلید اور اس سے متاثر ہونے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ آنکھ بند کر کے انھوں نے اس کی تقلید کی ہو۔ فلسفہ ہو یا کوئی اور علم و فن، قدما سے استفادہ کر کے مفکرین اسلام نے مسائل کا حل پیش کیا ہے۔ اور استفادہ کے ساتھ فکر جدید کی روشنی میں نئی راہیں بھی تلاش کی ہیں۔

فارابی اسلام کے پیرو تھے، اور علوم دینیہ میں بہرہ وافر رکھتے تھے۔ انھوں نے یونانی فلسفہ سے فائدہ اٹھا کر ایک مثالی سوسائٹی کے قیام اور علم الاجتماع کو قرآن و حدیث کی روشنی میں پیش کیا ہے۔ اپنے نظامِ فکر کو اسلام کی روشنی میں پیش کرنے میں کس حد تک وہ کامیاب ہوئے، یہ دوسری بات ہے لیکن انھیں اسلامی فکر کے مرتبین میں ایک اہم مقام حاصل ہے۔ ارسطو اور افلاطون کی طرح فارابی نے بھی خیر و شر کی معرفت کے لیے عقل ہی کو صحیح معیار قرار دیا ہے لیکن مدینہ فاضلہ کی تفصیلات کے بیان میں انھوں نے اسلام سے ان کی مطابقت کی کوشش کی ہے۔

"مدینہ فاضلہ" کے سلسلے میں فارابی لکھتے ہیں: "انسان آپس میں ایک دوسرے کی مدد اور تعاون کے محتاج ہیں، بغیر اس کے معاشرہ کا قیام نہیں ہو سکتا۔ انسان تنہا اپنے اعلیٰ کمالات کا اظہار بہت سی باتوں میں نہیں کر سکتا۔ اسے پوری ایک جماعت کی ضرورت ہے۔ ہر فرد کسی نہ کسی بات میں دوسرے کا مددگار ہوتا ہے۔ تب کہیں وہ کوئی کار خیر انجام دے سکتا ہے۔" یہاں تک تو فارابی افلاطون کے ہم خیال ہیں۔ اس لیے کہ افلاطون مادی ضروریات میں معاشرہ کے افراد کی باہمی احتیاج کا بیان کرتا ہے، اور سوسائٹی کے قیام کے لیے افراد

کی مدد لازمی قرار دیتا ہے۔ لیکن آگے چل کر فارابی اس کی تفصیل بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ معاشرہ مل کر ہی مکمل ہو سکتا ہے۔ ایک انسان تمام کمالات حاصل نہیں کر سکتا۔ اس لیے انسان کے لیے اجتماعی زندگی فطری اقتضا ہے۔"

فارابی انسانی معاشرہ کو دو گروہوں میں تقسیم کرتے ہیں، ایک کامل گروہ، دوسرا ناقص گروہ۔ پھر کامل گروہ کی تین قسمیں قرار دیتے ہیں۔ پہلا مکمل گروہ اسے وہ عالمی گروہ کہتے ہیں۔ پھر درمیانی گروہ اسے ایک امت کہیے۔ پھر چھوٹی جماعت۔ اسے شہر کی آبادی سمجھیے۔

درحقیقت کامل گروہ کو عالمی گروہ قرار دے کر فارابی نے اسلام کی عمومیت فکر کی ترجمانی کی ہے۔ اسلام خصوصیت کے ساتھ اور دوسرے مذاہب عمومیت کے ساتھ عالمی گروہ کو وجود میں لانے کی دعوت دیتے ہیں۔ چنانچہ اسلام نے نوع انسانی کو اپنے دامن رحمت میں سمیٹ کر ایک وحدت بنا دیا۔ فارابی نے مدینہ فاضلہ کی تشبیہ "بدن تام صحیح" سے دی ہے، جس کے تمام اعضا حیات کی تکمیل و ترقی اور حفاظت میں ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہیں۔[۵] جسم نامی کا یہ تصور فارابی نے پیش کیا اور اجتماعی زندگی کے لیے یہ تصور مسلمانوں کو قرآن مجید نے دیا تھا۔ جس کا نہ اس سے پہلے وجود تھا نہ اب وجود ہے۔ انسانی معاشرہ کے لیے مساوات کا تصور تو عیسائیت نے بھی پیش کیا لیکن جسم نامی کا جامع اور مثالی تصور صرف فکر اسلامی کا نتیجہ ہے اور بقول علامہ اقبال مسلمانوں کے یہاں وحدت انسانی کا خیال نہ تو محض کوئی فلسفیانہ تصور تھا۔ نہ شاعرانہ خواب بلکہ روزمرہ زندگی کا ایک زندہ اور قائم و دائم عنصر ہے جو چپکے چپکے اور غیر محسوس طریق پر اپنا کام کرتا رہا۔[۶] سعدی شیرازی نے اسی چیز کو اس شعر میں بیان کیا ہے:

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند — کہ در آفرینش ز یک جوہر اند
چو عضوے بدرد آورد روزگار — دگر عضوہا را نماند قرار

لیکن اس تصور کو اہل مغرب ابھی تک نہیں سمجھ سکے، جیسا کہ علامہ اقبال نے لکھا ہے: "یہ امر کہ زندگی کا ادراک بطور ایک وحدت نامیہ کے ہو جائے، کچھ دیر ہی کے بعد ہوتا ہے . . . . اس میں کوئی شک نہیں اسلام سے بہت پہلے عیسائیت نے بھی انسان کو مساوات کا سبق دیا۔ لیکن یہ امر کہ نوع انسانی ایک جسم نامی ہے، مسیحی روما کی سمجھ میں کبھی نہیں آیا۔ فلنٹ کہتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ جو بات کسی عیسائی یا دولت روما کے کسی مصنف کے حق میں بالخصوص کہی جا سکتی ہے یہ کہ اس کے ذہن میں وحدت انسانی کا ایک مجرد تصور موجود

تھا، مگر پھر رومی عہد سے لے کر اب تک بھی تو صورت حالات کچھ ایسی ہے کہ یہ تصور یورپ کے دل و دماغ میں جاگزیں نہیں ہو سکا۔[۳۵]"

خود حدیث نبوی میں بھی بڑی جامعیت کے ساتھ اس تصور کو بیان کیا گیا ہے۔ شیخ سعدی کا قطعہ اسی حدیث کا ترجمہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان آپس میں مودت اور ترحم میں جسد واحد کی طرح ہیں کہ جب ایک عضو میں تکلیف ہوتی ہے تو سب میں تکلیف محسوس ہوتی ہے۔[۳۶]

فارابی کے ہم عصر یا کچھ بعد کے مشہور صوفی ابو عبد الرحمٰن السلمی نے بھی اپنی کتاب میں اس حدیث کا حوالہ دیا ہے اور لکھا ہے کہ مسلمان جسد واحد ہیں۔ ان پر فرض ہے کہ بھلائی میں ایک دوسرے کی مدد کریں اور برائیوں کو دور کریں۔[۳۷]

کامل گروہ کی وضاحت کرنے کے بعد فارابی نے ناقص گروہ کی قسمیں بھی بیان کی ہیں۔ ناقص معاشرہ کی تین قسمیں ہیں۔ دیہات کی جماعتیں۔ قبیلہ کی جماعت یا شہر کے کسی حصہ کی جماعت۔ آخری جماعت کسی خاندان کے افراد پر مشتمل ہوتی ہے۔ بقول فارابی چونکہ عالمی گروہ کا وجود میں آنا بہت مشکل ہے اور چونکہ شہر امت کے لیے پہلی منزل ہے، اس لیے فارابی نے اس کی طرف خاص توجہ کی۔ اگر شہر کے حالات کی اصلاح ہو جائے تو یقیناً امت کے حال کی اصلاح ہو جائے گی۔ لہٰذا پہلی چیز جو شہر کو کمال تک پہنچاتی ہے، وہ اس کے افراد میں مکمل تعاون ہے۔ اس لیے 'مدینہ فاضلہ' (اعلیٰ ترین شہر) کو ایک نہایت تندرست بدن کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے جس کے تمام اعضا حیات کی ترقی اور تکمیل میں مدد کرتے ہیں۔

دوسری چیز جو اس کمال کی تکمیل کرتی ہے، وہ شہر کے رئیس اور حاکم اعلیٰ کا وجود ہے جو بہترین طریقہ سے شہر کا انتظام کرتا ہے۔ لہٰذا شہر ایک جسم انسانی ہے جس کا حاکم اعلیٰ دل ہے اور دوسرے اعضا کا دوسرا، تیسرا اور چوتھا مرتبہ ہے۔ ہر ایک عضو اپنے مقام پر اپنے اعلیٰ درجہ کے عضو کا فرماں بردار ہے اور یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ بالکل اسی طرح شہر کا حاکم اعلیٰ حکم دیتا ہے۔ وہ دوسروں سے حکم نہیں لیتا، اور دوسرے طبقے درجہ بدرجہ ترتیب کے ساتھ ایک دوسرے کے اوپر سے نیچے تک مددگار ہیں۔ یہاں تک کہ اس اجتماعی ترتیب کا سلسلہ عمال اور خدام تک پہنچ جاتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ یہ تمام طبقات جن کا فارابی نے ذکر کیا ہے، ان افراد سے تشکیل پاتے ہیں جو قدرتی طور پر اس لیے بنائے گئے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک اپنے طبقہ کا فرض انجام دے۔ یہاں ان طبقات کے معاملے میں

جن سے معاشرہ اور جماعت تشکیل پاتے ہیں، فارابی افلاطون کا ہم خیال ہے۔ فرق یہ ہے کہ فارابی اس کے بعد فرد کی نفسی تشکیل اور اس کی اکتساب کی فطری صلاحیت کو تسلیم کرتا ہے۔ اور اس کے نتیجہ میں اجتماعی مرکز کی تشکیل میں دو باتوں پر بھروسہ کرتا ہے۔ ایک ان میں سے فطری ہے اور دوسری اکتسابی۔

فارابی کا یہ خیال ہے کہ رئیس اور حاکم کا وجود پہلے ہوتا ہے اور اس کے بعد اس سے اجتماع اور گروہ تشکیل پاتا ہے، جیسے دل پہلے ہوتا ہے پھر وہ بدن کے تمام اعضا کا سبب بنتا ہے۔ دوسرے اہل فکر کی طرح اس کا یہ خیال نہیں ہے کہ پہلے اجتماع ہوتا ہے۔ پھر حکومت اور ریاست تشکیل پاتی ہے اور اجتماعی اور سیاسی عہد و پیمان ہوتے ہیں جیسا کہ اکثر علمائے علم الاجتماع کی رائے ہے۔

فارابی شہریت کے کاموں کو مختلف طبقات میں تقسیم کرتا ہے۔ جو طبقہ رئیس کے قریب ترین طبقات میں سے ہے وہ اہم ہے اور اس کے ذمہ تدبیر مدن کے کام سپرد ہوتے ہیں۔ اس کے برخلاف رئیس سے جو طبقہ جس قدر دور ہے، اسی قدر پست امور اس کے سپرد ہوتے ہیں۔ کاموں کی پستی اور بلندی سے ان کام کرنے والوں کی حیثیت کا آپ قیاس کر سکتے ہیں، اور یہ بھی کہ پست کام کرنے والوں کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی اور ان پر آسانی سے تقرر ہو سکتا ہے۔ رئیس کے لیے ایک مثالی شخص ہونا ضروری ہے۔ اس لیے کہ جماعت کے افراد اسی کو نمونہ بناتے ہیں۔ چنانچہ مدینہ کا رئیس ہر کس و ناکس نہیں ہو سکتا، بلکہ اس کے لیے دو چیزیں ضروری ہیں: ایک تو یہ کہ وہ فطری اور طبعی طور پر اس کے لیے تیار کیا گیا ہو۔ یعنی عملی اور نظری اعتبار سے اس کی قوتِ ناطقہ کو اللہ تعالیٰ نے ایسا بنایا ہو کہ وہ عقل فعال کے اتحاد سے تکمیل پذیر ہوتی ہو، دوسرے یہ کہ اس کو علوم اور معارف کی جو فضیلت حاصل ہوئی ہو، وہ اس کا اہل ثابت ہو۔ اس کے بعد فارابی بارہ خصائل شمار کرتے ہیں، جن کا رئیس میں ہونا ضروری ہے۔ وہ یہ ہیں: تمام اعضا سالم ہوں۔ زود فہم اور تیز فہم ہو۔ اعلیٰ مدرکات کے حفظ کرنے میں اچھا حافظہ ہو۔ خوش گفتار ہو۔ علم کی محبت ہو۔ کھانے پینے کی ہوس نہ ہو۔ لہو و لعب سے فطرتاً اجتناب کرتا ہو۔ صداقت اور عدالت کی لگن ہو۔ غرور کے بجائے عزت نفس ہو۔ دنیاوی طمع نہ ہو۔ پختہ عزم اور پامردی ہو۔[۱۵]

فارابی کے مجوزہ معاشرہ میں جو فرد نورِ علم سے خالی ہے، وہ حیوانی حالت میں ہے اور اس کے ساتھ ہی اگر وہ شخص حاکم ہے تو وہ سخت عذاب کا مستحق ہے۔

فارابی نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ان تمام صفات کا عمومیت کے ساتھ کسی ایک شخص میں جمع ہونا مشکل ہے۔ ایسے حالات میں شہر میں ان قوانین، عادتوں، اور طریقوں کی تقلید کی جاتی ہے، جو سابق حاکم نے

جاری کیے تھے ۔ اس سابق رئیس کے جاری کردہ طور طریقے ورثہ میں باقی رہتے ہیں ۔ اس سلسلے میں ضروری ہے کہ رئیس (حاکم) قوانین اور طرق جاریہ سے اچھی طرح واقف ہو، اور استنباط کرنے میں ماہر ہو ۔ یعنی اصول اور قیاس میں صاحب نظر ہو، (علمائے فقہ نے مجتہد کے لیے بھی یہی شرائط مقرر کی ہیں) ۔

یہاں ہم جمہوریہ افلاطون کے فلسفی حاکموں کے وظیفۂ کار کا فارابی کے مدینۂ فاضلہ کے رئیس سے موازنہ کرتے ہیں ۔ مدینہ فاضلہ کے رئیس کا کام یہیں ختم نہیں ہو جاتا بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ اس کی شخصیت دیانت و تدین کی حامل ہو، اس لیے کہ حکومت اسی عالم کی زندگی تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ اسی طرح آخرت میں بھی افراد کے لیے موجود ہو گی ۔ جب آپ کسی شہر کے افراد کو نورِ علم سے خالی پائیں تو یقیناً ان لوگوں کے نفوس عقل سے بھی خالی ہوں گے ۔ اور وہ حیوانی حالت کی طرف رجوع کر رہے ہوں گے ۔ ایسے ہی شہر میں یہ نوبت آجاتی ہے کہ اس کے رئیس کی گردن پر جواب دہی کا بوجھ آپڑتا ہے ۔ اور آخرت میں اس کے لیے سخت عذاب منتظر ہوتا ہے[۱۶]۔

اس مقام پر فارابی نے معاشرہ کے ہر فرد کے لیے علم حاصل کرنے کی فرضیت کو واضح کر کے اور بے علم کو حیوانوں کی حالت میں شمار کر کے اسلامی معاشرہ کی اس اہمیت کو واضح کیا ہے جسے قرآن نے بیان کیا تھا، جس پر کہ رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عمل کیا اور اس کی طرف سے غفلت برتنے ہی کی وجہ سے مسلمانوں کا زوال ہوا ۔ آج دوسری قومیں اس اصول پر عمل کر رہی ہیں اور مسلمان " حیوانوں کی حالت کی طرف رجوع کر رہے ہیں ۔"

قرآن مجید کی سب سے پہلی سورت کی پہلی آیت کا پہلا لفظ اقرأ ہے جس میں پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے ۔ غرض سب سے پہلا حکم قرآن میں جو نازل ہوا، وہ پڑھنے کا حکم ہے ۔ اس طرح علم طلب کرنا فرض قرار دیا گیا اور قرآن میں ارشاد ہوا : من ھو فی ھٰذہٖ اعمی فھو فی الاٰخرۃ اعمیٰ (جو دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہے) ۔

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، فارابی کے مجوزہ معاشرہ میں جو فرد نورِ علم سے خالی ہے، وہ حیوانی حالت میں ہے، اور ایسا شخص اگر حاکم ہے، تو وہ سخت عذاب کا مستحق ہے ۔ لیکن جو نفوس نورِ معرفت سے روشن ہو چکے ہوں، وہ آخرت میں عالم ارواح کی طرف جاتے ہیں، جو خالص اور پاک صاف ہے ۔ عالم آخرت میں کسی شخص کے درجوں کی بلندی کا قیاس اس کے علم پر کیا جا سکتا ہے ۔ جس قدر اس نے یہاں علم حاصل کیا، اسی قدر وہاں اس کا درجہ بلند ہو گا ۔ ان امور سے ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ فارابی کے مدینہ فاضلہ میں افلاطونی، ارسطوئی اور اسلامی عناصر کا

کس قدر امتزاج ہے۔ ان سب کے امتزاج سے فارابی نے مدینہ فاضلہ کی بنیاد رکھی ہے۔

فارابی کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک مثالی اجتماع کے قیام کی توقع رکھتے ہیں، جس کا رئیس نبی ہو۔ یا ایسا امیر جس کی یہ صفات ہوں، لیکن ایسا نادر ہی ہوتا ہے۔ فارابی کا خیال تھا کہ ایسا اجتماع ممکن ہے

فارابی نے اپنی کتاب "آراء اہل المدینۃ الفاضلۃ" کے آخر میں غیر منظم، منتشر اور خراب معاشرہ کے اسباب اور خرابیوں کی بھی تفصیل کے ساتھ نشاندہی کی ہے۔ اور اس قسم کے معاشرہ کی تمام قسموں سے بحث کی ہے۔ منظم اور غیر منظم معاشرہ کی اس طرح تفصیل پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ جدید ماہرین عمرانیات نے اب جس ترتیب کے ساتھ کتابیں لکھنا شروع کی ہیں، اس نہج پر بڑی کامیابی کے ساتھ فارابی نے آج سے گیارہ سو سال پیشتر اپنی کتاب لکھی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یورپ کی نشاۃ ثانیہ میں ان علوم و افکار کا بھی بہت حصہ ہے، جو عربی سے ترجمے کے ذریعہ یورپی ملکوں میں پہنچے، اور ان سے اہل یورپ میں فکری بیداری اور علمی روشنی پھیلی۔ اس دور میں یورپ کے اہل علم نے فارابی کی طرف بھی کافی توجہ کی۔ اور اس کی کتابوں کے ترجمے یورپی زبانوں میں کیے گئے۔ ہم ذیل میں فارابی کے یورپی زبانوں میں ترجموں اور فارابی کی کتابوں کی اشاعت کا مختصر ذکر کرتے ہیں تاکہ یہ اندازہ ہو سکے فارابی کا یورپ پر کب سے اور کس قدر اثر پڑ رہا ہے۔

ہرمان الالماطی (Hermann Alemanus) نے ۱۱۷۲ء میں فارابی کی ایک کتاب کا ترجمہ کیا تھا۔ شمولدرس (A. Schmolders) نے عربی میں لاطینی ترجمہ کے ساتھ یونیورسٹی بون سے فارابی کے فلسفہ پر ۱۸۳۶ء میں ایک کتاب دو جلدوں میں شائع کی۔ مسٹر لینڈ (J. P. N. Land) نے ۱۸۸۲ء میں لیدن سے فارابی کی موسیقی پر ایک ضخیم کتاب شائع کی۔ ڈاکٹر فارمر (H. G. Farmer) نے جو عربی فارسی کے زبردست عالم ہیں، عربی موسیقی کی تحقیق اور یورپ سے تقابلی مطالعہ پر بہت سی کتابیں اور مضامین لکھے۔ ان کے خیال میں موسیقی کے آلات اور فن تمام کا تمام یورپ نے عربی سے لیا ہے۔ فارابی کی موسیقی پر عربی کتاب کا لاطینی میں ترجمہ ہو چکا تھا، ڈاکٹر فارمر نے اسے ۱۹۳۴ء میں شائع کیا۔ فارابی کی کتاب الاحصاء میں موسیقی پر جتنا لکھا گیا ہے، اس کا ترجمہ بھی کیا۔[۵۵]

دی بوبر (De Boer) نے ہالینڈ سے ۱۹۰۰ء میں فارابی کی کتاب احصاء العلوم کا لاطینی

میں ترجمہ شائع کیا۔[8] مولڈر (D.C. Mulder) نے ہالینڈ سے ۱۹۴۹ء میں مسلمان فلسفیوں پر کتاب شائع کی، جس میں فارابی پر تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ بیرن (G. G. Baram) نے فارابی پر فرانسیسی زبان میں چار جلدوں میں ایک کتاب لکھی، جو ۱۹۳۰ء میں شائع ہوئی ہے۔ بیرن نے عربی کی کئی کتابوں کا فرانسیسی میں ترجمہ کیا ہے۔ جرمن مستشرق مسٹر مونک (S. Munk) جو فرانسیسی مشہور ہے اس لیے کہ وہ وہیں رہا اور وہیں وفات پائی (۱۸۰۵ء) اس نے مصر جاکر سینکڑوں مخطوطات جمع کیے۔ اور چالیس برس تک فرانس کے رسائل میں مسلمانوں کی سینکڑوں کتابوں پر مضامین لکھے۔ اس نے کئی کتابوں کا ترجمہ کیا، اور ایک کتاب اس پر لکھی کہ عبرانی میں عربی کا کتنا اثاثہ موجود ہے۔ اس نے مسلمان فلسفیوں پر کتابیں لکھیں، فارابی کو باقاعدہ یونیورسٹی میں پڑھایا اور انسائیکلوپیڈیا میں فارابی پر مقالہ لکھا۔[10] اسٹائنشنایدر (Steinschneider) نے فارابی پر ۱۸۶۹ء میں جرمنی سے کتاب شائع کی۔ جرمن پروفیسر تیریشی (Dietaric) نے لیڈن اور بون سے فارابی کی اکثر کتابوں کو عربی متن اور جرمنی اور لاطینی ترجمہ کے ساتھ ۱۸۹۰ء کے لگ بھگ شائع کیا۔ انھوں نے اسلامی فلسفہ پر عربی کی ضخیم کتابیں ترجموں کے ساتھ شائع کی ہیں۔[11] پروفیسر روسکا نے جرمنی سے ۱۹۰۷ء میں فارابی کی احصاء العلوم اور فصول الریاضیات والموسیقی شائع کی۔[12] بیرکن میجر (A. Birkenmajer) نے فارابی پر ۱۹۳۵ء میں ایک کتاب شائع کی۔[13]

فرنشسکو (G. Francesco) روم یونیورسٹی کے پروفیسر نے کئی عربی کتابوں کا ترجمہ کیا۔ سینکڑوں لاطینی اور عربی میں مضامین لکھے۔ اس نے فارابی کی کتاب "نوامیس" کو روم سے ۱۹۵۲ء میں شائع کیا ہے۔[14] پروفیسر آربری (A. J. Arberry) نے عربی فارسی کی بہت سی کتابیں شائع کیں ۱۹۳۸ء میں اس نے فارابی کی تنقید شعر پر مضمون لکھا۔[15]

کروز ہرنانديز (Cruz Hernandez) نے مسلمان فلسفیوں پر بہت کام کیا اور ۱۹۵۱ء میں فارابی کی "عیون المسائل" پیرس سے شائع کی۔[16] بانیرتھ (E. Bannerth) نے ۱۹۵۸ء میں عربی فلسفیوں اور فارابی پر کتاب شائع کی۔[17]

روزن تھال (Rozenthal) نے ۱۹۵۵ء میں فارابی کے سیاسی نظریہ پر امریکہ سے کتاب شائع کی ہے۔[18]

نیشنل لائبریری پیرس کے لاطینی مخطوطات سے ثابت ہوتا ہے کہ Divine Comedy کا مصنف

دانتے عربی کلچر سے خوب واقف تھا اور جنت و دوزخ کی صفات کے سلسلہ میں اس نے عربی افکار سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ اس نے اپنی کومیڈی میں بعض مسلمان مشاہیر کا بھی ذکر کیا ہے، جیسے فارابی، غزالی، ابن سینا، البطروجی، ابن رشد۔ انھیں اس نے دوزخ سے باہر رکھا ہے، اور سیجر وی برابنلس جامعہ پیرس کے فلسفی کو جس نے ابن رشد کی تحریک چلائی، اسے جنت میں جگہ دی ہے۔ لیکن بعض مسیحی علمائے مذہب کو دوزخ میں ڈالا ہے۔[۱۹]

(یہ مقالہ سائنس کانفرنس ملتان میں پڑھا گیا ــــ مدیر)

حواشی :

۱ھ آراء اہل المدینۃ الفاضلہ، بیروت، ص ۹

۲ھ اقبال تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، ص ۲۱۵

۳ھ ایضاً

۴ھ بخاری ج ۴، ص ۴۴، س ۴۲، القاہرہ، ۱۲۸۶

۵ھ ابوعبدالرحمٰن السلمی، آداب الصحبۃ وحسن العشرۃ، اورشلیم، ۱۹۵۴ء، ص ۳۲

۶ھ الفارابی، آراء المدینۃ الفاضلہ، بیروت، ۱۹۵۹ء، ص ۶ - ۱۰۵

۷ھ ڈاکٹر حسن شحاتہ، تاریخ الفکر الاجتماعی، مصر ۱۹۶۵ء ص ۴۹

۸ھ المستشرقون، مصر، ج ص ۵۴۰ (ڈاکٹر فارمر کی کتاب انگریزی میں موجود ہے، یورپ کی موسیقی اور اس کی اصطلاحات کا تقابلی مطالعہ اب بھی کیا جا سکتا ہے)

۹ھ ایضاً، ج ۱، ص ۹۹

۱۰ھ ایضاً، ج ۱، ص ۱۹۹

۱۱ھ ایضاً، ج ، ص ۱۰۷

۱۲ھ ایضاً، ج ص ۲۳۶

۱۳ھ ایضاً، ص ۷۷

۱۴ھ ایضاً، ج ، ص ۳۵۴

۱۵ھ ایضاً، ج ، ص ۵۵۹

۱۶ھ ایضاً، ج ص ۶۰۹

۱۷ھ ایضاً، ج ، ص ۶۴۰

۱۸ھ ایضاً، ج ، ص ۱۰۱۷

۱۹ھ ایضاً، ج ، ص ۱۱۳